خبر واحد فقہاء کرام کی نظر میں

مولانا مبشر احمد، دار العلوم الاسلامیہ لاہور

نحمدہٗ ونصلی رسولہ الکریم اما بعد

دین اسلام حق وصداقت کی ابدی اور لازوال اقدار حیات کا نام ہے جس کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

احادیث وہ ذخیرہ علمی ہے جس کی اہمیت وحقانیت پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر واضح اشارات اور توضیحات موجود ہیں۔ اسی اعتبار سے ادلہ شرعیہ میں قرآن مجید کے بعد احادیث کا رفیع القدر وجلیل الشان مقام آیا ہے۔

دین میں حدیث وسنت کا مقام

امت میں بلاشبہ یہ عقیدہ متواتر رہا ہے کہ حدیث نبوی، قرآن کا عملی بیان اور اس کی عملی شرح ہے۔ پس اگر قرآن کی تشریعی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے تو اس کے بیان وشرح کی بھی تشریعی حیثیت ماننی پڑے گی۔

قرآن مجید اور احادیث پر جن علماء کی عمیق ووسیع نظر ہے انہیں برملا معلوم ہے کہ احادیث صحیحہ تمام تر قرآن مجید کے کلی وعمومی احکام کے تابع ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تشریح فرمائی ہے۔ امام شاطبی فرماتے ہیں کہ:

فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتاب[1]

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۱۰

"سنت کتاب اللہ کے احکام کے معانی کے لیے تفسیر و شرح کا درجہ رکھتی ہے"
امام شافعی نے اپنی تصنیف الرسالہ میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں :

احدهما نص كتاب فاتبعه رسول الله كما انزل الله والآخر جملة بيّن رسول الله فيه عن الله معنى ما اراد بالجملة واوضح كيف فرضها الخ والثالث ما سن رسول الله فيما ليس فيه نص كتاب[1]

نمبر ایک وہ بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اسی طرح اتباع کی ہے جس طرح وہ نازل ہوئیں دوسری قسم وہ جو قرآن مجید کی مجمل حکم کی تشریح ہے جس طرح خدا تعالیٰ نے فرض کی اور جو معنی مراد لیا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی۔ تیسری قسم وہ جس کا ذکر بظاہر قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے اور نہ اجمالاً۔

اس کے متعلق امام شافعیؒ نے چار نظریے نقل کئے ہیں لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال بھی صحیفہ ربانی سے مستنبط ہیں قرآن مجید نہایت صراحت کے ساتھ کہتا ہے۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولاً من انفسهم يتلو عليهم اٰياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة[2]

"بے شک اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں رسول انہیں میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور ان کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اللہ وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف قرآن کی آیات کو پڑھ کر سنانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم بھی آپ کے فرائض رسالت میں داخل ہے۔

جمہور ائمہ لغت وعلماء قرآن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کے علاوہ شریعت کے وہ احکام اور دین کے وہ اسرار ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا ہے امام شافعی الرسالہ میں لکھتے ہیں :

---

[1] الرسالۃ للشافعیؒ ص ۵۲ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر الطبعۃ الثانیہ

[2] آل عمران ع ۷

سمعت من ارضى من اهل العلم بالقرآن يقول الحكمة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم [1]

میں نے قرآن کے اہل علم سے جنکو میں پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے ۔

ان سب باتوں سے مقام حدیث واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے بغیر فہم قرآن و تکمیل احکام ناممکن ہے اور فن حدیث اپنی تمام تر خصوصیات کی وجہ سے دیگر تمام تاریخی ذخیروں سے ممتاز ہے ؟

کیونکہ حدیث کے راویوں کے لیے سب سے بڑا نازک مرحلہ یہ تھا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مشہور حدیث سن رکھی تھی ۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار [2]

جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے ۔

اس لیے مستحکم ایمان سے سرفراز جماعت سے غلط بیانی کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا ؟ کیونکہ اس حدیث مبارک نے راویان احادیث کے دلوں میں ذمہ داری کا ایک ایسا احساس پیدا کر دیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی خبر بیان کرتے وقت ان کا چہرہ خوف سے زرد ہو جاتا کہ کہیں انکی روایت میں کوئی غلطی نہ در آئے ۔

اس پوری تمہید سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حدیث خواہ کسی جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہو یا کسی ایک فرد کے واسطہ سے اس کی حجیت پر گنجائش مقال نہ ہے ۔ اسی بنا پر تمام فقہاء کرام نے خبر واحد کی حجیت پر اتفاق کیا ہے اور اس کو قابل عمل قرار دیا ہے ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف الرسالۃ میں بہت سی آیات و احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اخبار آحاد قابل اعتماد اور واجب العمل ہیں ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جگہوں پر لوگوں کو دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا تھا اس میں عدد کا

---

[1] الرسالہ للشافعیؒ ص ۵۸ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر

[2] ظفر الامانی ص ۲۲ بحوالہ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ص ۵۸ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی

کوئی لحاظ نہیں فرمایا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ خبر واحد حجت شرعی ہے۔
اگرچہ اس کے اندر خطا کا امکان عقلی موجود ہے مگر عقل و فطرت انسانی کے نزدیک اس قسم کے احتمال عقلی کا کوئی اعتبار نہیں اور عرفاً اس کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا۔
معتزلہ وغیرہ جو اخبار آحار کی احادیث کے منکر ہیں ان پر شیخ الاسلام علامہ بزدوی کی بات پورے طور سے صادق آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

من انکر الخبر الواحد فانه رجل سفيهٌ لا يعرف نفسه ولا دينه ولا دنياه ولا امه ولا اباه[1]

جس نے خبر واحد کا انکار کیا وہ دراصل بے وقوف آدمی ہے اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتا نہ اپنے دین کو نہ دنیا کو نہ اپنی ماں کو نہ اپنے باپ کو۔
محدثین عظام نے اخبار آحار کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اس کے ساتھ قرائن نہ ہوں تو ظن کا فائدہ دیتی ہے جس طرح خبر متواتر یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ مگر وہ ظن جس کا فائدہ اخبار آحاد دیتی ہے وہ یقین سے زیادہ قریب ہے۔ محدثین نے اس کو ظنی" معنیٰ اصلاحی کے لحاظ سے استعمال کیا ہے کہاں وہ ظنی اصطلاح اور کہاں وہ گمان جو شک و شبہ اور بے اعتباری کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ دونوں کو ایک درجہ کی چیز سمجھنا نہایت ہی جہالت ہے۔
اگر خبر واحد پر اعتماد نہ کیا جاوے تو بہت سے دنیاوی معاملات معطل ہو کر رہ جائیں گے[2]

خبر واحد کی تعریف

خبر الواحد وھو كل خبر يرويه الواحد او الاثنان فصاعداً لا عبرة للعدد فيه بعد ان يكون دون المشهور والمتواتر[3]

خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ایک یا دو یا اس سے زیادہ ہوں لیکن اسمیں

---

[1] ظفر الامانی ص ۲۲ بحوالہ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ص ۴۵ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی
[2] محدثین عظام اور انکے علمی کارنامے۔ تقی الدین ندوی ص ۴۵ مطبع مجلس نشریات اسلام کراچی
[3] کشف الاسرار علی المنار للشیخ عبداللہ بن احمد النسفی ص ۸ مطبع الکبری الامیریہ بولاق مصر

شہرت کے اسباب نہ ہوں اس میں عدد کا اعتبار نہیں ہوتا وہ مشہور اور متواتر حدیث سے کم درجہ رکھتی ہے۔

۲۔ خبر الواحد عن الواحد حتی ینتھی بہ الی النبی ﷺ[1]

خبر واحد وہ ہے جو ایک راوی کسی ایک راوی سے روایت نقل کرے اور اسی طرح نقل ہوتی ہوئی اس کی سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے یا نبی اکرم سے نقل ہوتی ہم تک پہنچ جائے؟ یعنی ہر زمانہ میں اس کا راوی ایک ہو؟

حکم خبر واحد

وانہ یوجب العمل دون علم الیقین[2]

اور خبر واحد عمل کے لیے موجب ہے لیکن علم الیقین اس سے حاصل نہیں ہوتا یعنی ایسی حدیث گمان غالب کے درجہ میں علم کا فائدہ دیتی ہے اور قرائن کی بنا پر علم قطعی کا بھی فائدہ دیتی ہے اس سے حاصل ہونے والے علم کو علم نظری بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اس کا حصول غور و فکر اور بحث و تفتیش پر موقوف ہوتا ہے[3]

فقہاء احناف کے نزدیک حدیث کی تقسیم

اولاً تو وہ باعتبار نقل کے حدیث کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔ (۱) مسند۔ (۲) مرسل۔

۱۔ **مسند** : جو پوری سند کے ساتھ مروی ہو۔

۲۔ **مرسل** : وہ حدیث جس کے تمام راوی مذکور نہ ہوں خواہ سارے مذکور نہ ہو یا بعض

مسند کی اقسام۔

مسند کی تین اقسام ذکر کرتے ہیں : (۱) متواتر۔ (۲) مشہور۔ (۳) خبر واحد۔

الف : متواتر : ایسی حدیث جس کے راوی سند کے ہر طبقہ میں اتنے ہوں کہ عقل و عادت جھوٹ بولنے پر ان کے اتفاق کرنے کو ناممکن قرار دیں اور اس کیفیت کے ساتھ حدیث یا کسی خبر کی نقل کو تواتر کہتے ہیں۔

---

[1] الرسالہ الامام الشافعی ص ۱۶۰

[2] کشف المنار علی المنار ص ۸

[3] علوم الحدیث مولانا عبید اللہ الاسعدی مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی

حکم متواتر | حدیث متواتر علم قطعی و یقینی کی موجب ہوتی ہے جس کی قطعی تصدیق پر انسان اس وجہ مجبور ہوتا ہے گویا کہ وہ براہ راست دیکھ سن رہا ہے اسی لیے وہ بلا تردد مقبول ہوتی ہے اور اس کے راویوں کے حق میں بحث و تفتیش کا حکم نہیں ہے نیز اس کے مضمون کا رد اور انکار کفر ہے [1]

ب **: مشہور :** وہ حدیث جو عہد صحابہ کے بعد تواتر کی حد کو پہنچ جائے اگرچہ وہ عہد صحابہ میں اس حد کو نہ پہنچی ہو۔

حکم | ثبوت و قطعیت میں متواتر سے کچھ کم ہوتی ہے اس لیے اس سے حاصل ہونے والا علم لائق اطمینان ہوتا ہے اور اس کا انکار گمراہی ہے۔

ج **: خبر واحد :** خبر واحد کی تعریف و حکم پہلے ذکر ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خبر واحد وہ حدیث ہے جو کہ عہد صحابہ کے بعد کے عہدوں میں تواتر و شہرت کی حد کو نہ پہنچے بایں طور کہ اس کے راوی ایک یا دو یا چند ہوں۔ خواہ ایسا ہر عہد و طبقہ میں ہو یا ایک یا چند طبقات میں ہو حتیٰ کہ اگر صحابہ و تابعین کے بعد یہ صورت ہو جائے اور اس سے قبل نہ ہو تو بھی خبر واحد کہلائے گی یعنی اس کا مصداق عموماً وہ روایات ہیں جن کو محدثین نے عزیز یا غریب کہا ہے بلکہ محدثین کے نزدیک مشہور اصطلاحی بھی اس کے تحت آسکتی ہے اگر اس میں تواتر کی شروط کا تحقق نہ ہو اس لیے کہ محدثین اس حدیث کو مشہور کہتے ہیں جسے تین یا چار افراد نقل کریں جبکہ یہ صورت تواتر کے تحت نہیں آتی۔

حکم | چند شرائط کے ساتھ اعتبار و احتجاج کے لائق ہوتی ہے گمان غالب کے درجہ میں علم کا فائدہ دیتی ہے اس لیے واجب العمل ہوتی ہے [2]

شرائط عمل | خبر واحد پر عمل کی اصولی آٹھ شرطیں ذکر کی جاتی ہیں چار راوی کے حق میں اور چار مروی و روایت کے حق میں۔

راوی کے حق میں چار شرطیں یہ ہیں (۱) راوی مسلمان ہو۔ (۲) عاقل بالغ ہو۔ (۳) عادل ہو۔ (۴) ضابط ہو۔

---

[1] علوم الحدیث مولانا عبید اللہ الاسعدی ص ۵۴

[2] فواتح للرحموت ج ۲ ص ۱۱۱ مطبوعہ مکتبہ التراث الاسلامیہ ملتان۔

مروی کے حق میں چار شرطیں یہ ہیں ۔ (۱) قرآن مجید کے مخالف نہ ہو۔ (۲) کسی حدیث متواتر اور مشہور کے مخالف نہ ہو۔ (۳) کسی ایسے مسئلہ کی بابت نہ ہو جس سے عوام و خواص سب کا سابقہ پڑتا ہو اور حالات کا تقاضہ ہو کہ وہ سب کے علم میں ہو۔ (۴) صحابہ نے باہمی اختلافات میں اس سے استدلال کیا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا ہو۔ [1]

جیسے کہ اگر خود راوی حدیث سے قولاً یا فعلاً اس کی روایت کردہ کسی حدیث کی مخالفت ثابت ہو یا فقہاء صحابہ وائمہ فقہ و حدیث سے مخالفت ثابت ہو۔ جبکہ قرائن کا تقاضہ یہ ہو کہ وہ اس حدیث سے ناواقف نہ ہوں تو اس پر عمل جائز نہیں ۔

اوّل صورت میں اس کو نسخ پر اور دوسری صورت میں عدم ثبوت و عدم صحت پر محمول کرینگے۔ جیسے کہ راوی جس سے روایت نقل کی گئی ہو وہ قطعی انکار کر دے تو روایت مقبول نہیں اور انکار رجوع پر محمول ہوگا ۔

یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ سننے کے بعد سے دوسروں کو سنانے تک روایت برابر راوی کے ذہن میں محفوظ ہو۔ حتیٰ کہ اگر تحریر میں محفوظ ہو اور تحریر سے یاد آجائے تو اعتبار ہوگا ورنہ نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر تحریر اپنے پاس محفوظ ہو یا دوسرے کے پاس ہو مگر اطمینان ہو تو کافی ہے ؟

اسی انداز کی شرطوں کی وجہ سے متعدد اہل تحقیق سے یہ مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے رد و قبول کا جو معیار اپنایا تھا وہ عام محدثین سے زیادہ سخت تھا اس لیے کہ دوسرے محدثین وائمہ کرام اس قسم کی تمام شرطوں کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ بعض کی نسبت سے ان کا امام صاحب سے اختلاف ہے۔ [2]

حافظ ابن حزم نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے :

هذا ابو حنيفة يقول ما جاء عن الله تعالى فعلى الرأس و

---

[1] علم الحدیث مولانا عبیداللہ الاسعدی ص ۷۵

[2] علوم الحدیث مولانا عبیداللہ الاسعدی ص ۷۹ مطبع مجلس نشریات اسلام کراچی

العین وما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسمعًا وطاعۃ وما جاء عن الصحابۃ تخیّرنا من اقوالھم ولم نخرج عنھم وما جاء عن التابعین فھم رجال ونحن رجال [1]

یہ ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اللہ سبحانہ کی جانب سے آئے (یعنی قرآن) وہ سر آنکھوں پر اور جو کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آئے اس کے لیے ہم سراپا شنید و طاعت ہیں اور صحابہ سے جو کچھ آئے تو ان کے اقوال میں سے ہم انتخاب کریں گے اور اگر تابعین سے آئے تو ہم بھی آدمی ہیں وہ بھی آدمی ہیں یعنی اس کے قبول کرنے میں تأمل ہو سکتا ہے۔

ابوحمزہ السکری نے امام اعظمؒ کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ اس سے بھی واضح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح سند سے آئے ہم اسی کو لیتے ہیں اور اس سے آگے نہیں جاتے [2]

الغرض خبر واحد کے حجت ہونے اور قابل عمل ہونے میں امام اعظم اور تیسری صدی کے محدثین کا موقف ایک ہے۔ حافظ ابوبکر الخطیب خبر واحد کے موضوع پر محدثین کا موقف لکھتے ہیں۔ کہ خبر واحد پر عمل کرنے کے موضوع پر تمام تابعین کا اتفاق ہے اور تابعین کے بعد آج تک کے فقہاء کرام کا اس پر ایکا ہے ہمارے علم میں اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے اور نہ اس پر آج تک کسی نے کوئی اعتراض کیا ہے ان کا یہ اتفاق یہ بتا رہا ہے کہ ان سب کے نزدیک اس پر عمل واجب ہے اگر کہیں بھی انکار کیا گیا ہوتا تو تاریخ میں اس کا ذکر ضرور ہوتا [3]

اخبار آحاد کا معیار احتجاج

اس اتفاق کے باوجود اخبار آحاد کے موضوع پر چند اہم مباحث فکر و نظر کی جولانگاہ ضرور رہے ہیں مثلاً یہ کہ اخبار آحاد کیلیے

---

[1] احکام الاحکام ج ۱ ص ۹۵ بحوالہ امام اعظم و علم حدیث ص ۱۸۵ مطبوعہ انجمن دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ

[2] الانتقار لابی حمزہ السکری ص ۱۴۴ بحوالہ علم حدیث و امام اعظم ص ۱۸۵

[3] الکفایہ فی علوم الروایۃ ص ۳۱

معیار صحت کیا ہے اور اخبار آحاد موجب عمل ہونے کے ساتھ مفید یقین بھی ہیں یا نہیں ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں منصوص نہیں ہیں اس لیے ان میں فکر و نظر کا اختلاف ناگزیر ہے۔

جمہور محدثین کا موقف

جمہور محدثین کا موقف تو یہ ہے کہ اخبار آحاد اس وقت تک قابل احتجاج نہیں ہو سکتیں جب تک ان میں خاص خاص شرائط نہ ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سائل کے جواب میں ان شرائط کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے:

منها ان یکون من حدّث به ثقة فی دینه، معروفا بالصدق فی حدیثه عاقلاً لما یحدث به عالماً بما یحیل معانی الحدیث من اللفظ، وان یکون ممن یؤدی الحدیث بحروفه کما سمع لا یحدث به علی المعنی لانه اذا حدّث به علی المعنی وهو غیر عالم بما یحیل معناه لم یدر لعله یحیل الحلال الی الحرام الی قوله ویحدث عن النبی ما یحدث الثقات خلافه عن النبی[1]

ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ راوی دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور حدیث میں صداقت کے ساتھ مشہور ہو اور جو کچھ وہ بیان کر رہا ہو اس کو سمجھتا بھی ہو اور الفاظ سے ہٹ کر معنی کو دوسرے لفظوں کا لبادہ پہنانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو یا پھر روایت باللفظ کرتا ہو کیونکہ اگر وہ الفاظ سے ہٹ کر معنی کو دوسرے لفظوں میں ڈھالنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو ہو سکتا ہے کہ حلال کے لفظ کو حرام کا معنی دے دے اور حرام کے لفظ کو حلال کا معنی دے دے۔

اور اگر حافظہ کی مدد سے بیان کرتا ہو تو کتاب کا حافظ ہو اور ثقہ راویوں کا ہمنوا ہو مدلس نہ ہو اسی طرح راویوں کی ساری لڑی اوپر سے نیچے تک ہو حتیٰ کہ حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔

---

[1] الرسالہ للشافعیؒ ص ۱۶۰ مطبع مصطفیٰ للبابی الحلبی مصر

حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں :

اما الحديث الصحيح فهو الحديث المسند الذي يتصل اسناده بنا قل العدل الضابط عن العدل الضابط الى منتهاه ولا يكون شاذا ولا معللا [1]

صحیح وہ باسند حدیث ہے جس کی سند میں اتصال ہو جو عادل ضابط ہو اور عادل ضابط کے وساطت سے تا آخر روایت کرے اور شاذ و معلل نہ ہو ؟

اس کے بعد لکھتے ہیں :

فهذا الحديث الذي نحكم له بالصحة .

یہی وہ حدیث ہے جس کے صحیح ہونے کا ہم فیصلہ کرتے ہیں ۔

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں اور دونوں کا مزاج الگ الگ ہے ۔

(۱) صحت حدیث ۔ (۲) مقبولیت حدیث ۔

حدیث کی صحت سے بحث کرنا اگر ارباب روایت کا کام ہے تو حدیث کی قبولیت کو بتانا مجتہدین کا فن ہے (ہر گوشہ کی طرح یہاں بھی افراط و تفریط کی دو راہیں پیدا ہو گئی ہیں کچھ وہ ہیں جن کے نزدیک کسی بھی حدیث کا فقہ کی کتابوں میں آجانا ہی حدیث کی صحت کی ضمانت ہے اور ان کتابوں کے مؤلفین کی جلالت علمی سے دب کر حدیث کو صحیح مان لیتے ہیں فقہ کی کتابیں بہرحال مسائل کی کتابیں ہیں ان میں حدیث کی صحت سے کوئی بحث نہیں ہوتی نہ ان کا یہ فن ہے) ۔

حدیث کے لیے محدثین ہی کی خوشہ چینی چاہیے ۔ فقہ حنفی میں معرکہ کی کتاب اگر ہدایہ ہے تو فقہ شافعیؒ میں رافعی کی کتاب الوجیز ہے ان دونوں کتابوں کی حدیثوں کو دیکھنا ہو تو حافظ زیلعی کی نصب الرایہ اور حافظ ابن حجر کی التلخیص کو دیکھنا ہوگا یہ دونوں محدث ہیں اور یہ ان کا فن ہے خود انسان کا وجدان بھی یہی باور کرتا ہے کہ فن والوں سے ہی فن کی بات معلوم ہو سکتی ہے ۔ اس موقع پر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر بڑے پتے کی بات فرما گئے ہیں کہ

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۷ مطبوعہ فاروقی کتاب خانہ ملتان

اختلاف طبقات کے باوجود مسلمانوں کے سارے فرقے اس پر متفق ہیں کہ ہر فن میں اس کے فنکاروں کی بات سے استدلال کیا جا سکتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو سارے علوم حرف غلط ہو کر رہ جائیں کیونکہ جو فنکار نہیں وہ یا تو اس میں لب کشائی ہی نہ کرے گا اور اگر کرے گا تو غیر تسلی بخش ہو گی [1]

لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھ لینی چاہیے کہ صحت حدیث کے بارہ میں محدثین ہی کی بات قابل قبول ہو گی اور قبولیت حدیث کے بارہ میں مجتہدین کی تحقیق۔

حافظ ابن حجر نے حافظ ابن حبان کے حوالہ سے لکھا ہے۔

ان النظر ان کان للسند فالشیوخ اولی وان کان للمتن فالفقہاء [2]

اگر سند سے متعلق تحقیق کرنی ہو تو محدثین سے کرنی چاہیے اور اگر متن کے بارہ میں کچھ پوچھنا ہو تو فقہاء سے پوچھنا چاہیے؟

اس کی وجہ امام حازمی نے یہ بتائی ہے۔

لان قصدھم اثبات الاحکام ومجال نظرھم فی ذالک متسع [3]

کیونکہ فقہاء کا مقصد احکام کو ثابت کرنا ہے اور اس میں ان کا میدان وسیع ہے۔

اس قاعدہ کلیہ کی بنا پر اخبار آحاد سے احتجاج کا مسئلہ صرف حدیث کی صحت سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا صحت کے ساتھ قبولیت سے بھی تعلق ہے۔

امام اعظم محدث ہونے کے ساتھ چونکہ فقیہ اور مجتہد بھی ہیں اس لیے حدیث کی صحت کے ساتھ ساتھ حدیث کی قبولیت کی بھی شرطیں بتاتے ہیں۔ حدیث کی صحت کے موضوع پر وہ بھی وہی کچھ بتاتے ہیں جو عام ارباب روایت کا مسلک ہے لیکن حدیث کے مقبول اور قابل عمل ہونے کے لیے انہوں نے کچھ شرائط پیش کی ہیں؟ ان میں سے اہم یہ ہیں۔

---

[1] الروض الباسم لمحمد بن ابراہیم الوزیر جلد اول ص ۹

[2] الباعث الحثیث ص ۱۶۵ بحوالہ امام اعظم وعلم حدیث ۵۸۶

[3] شروط الائمۃ الخمسۃ ص ۲۷

شرائط قبولیت حدیث

۱ ۔ روایت دین کے مسلّمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔
۲ ۔ معانی قرآنی سے متصادم نہ ہو۔
۳ ۔ سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔
۴ ۔ صحابہ و تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔
۵ ۔ خبر واحد کا تعلق عموم بلویٰ سے نہ ہو[1]

مسلّمہ اصولوں کے خلاف روایت

امر اوّل یعنی یہ کہ روایت دین کے مسلّمہ اصول کے خلاف نہ ہو اس کی اہمیت تمام ارباب اجتہاد نے ہمیشہ تسلیم کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس معیار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شریعت کا علمی سرمایہ دو قسم کا ہے قوانین کلیہ اور حوادث جزئیہ۔ قوانین سے مقصود ضوابط عامہ ہیں مثلاً یہ کہ شہادت پیش کرنا مدعی کا کام ہے شریعت دراصل ان ہی قوانین کا نام ہے مجتہد کا کام ہے کہ ان ضوابط کو حوادث جزئیہ سے متاثر نہ ہونے دے[2]

علامہ شاطبیؒ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں قوانین عامہ پر جزئی اور خصوصی واقعات اثر انداز نہیں ہوتے کیونکہ قواعد کلیہ قطعی ہوتے ہیں اور حوادث جزئیہ ظنی ہوتے ہیں گمان اور وہم سے یقین و اذعان کی عمارت منہدم نہیں ہو سکتی اور نہ ظن میں یقین کا مدمقابل بننے کی تاب ہے نیز قواعد کلیہ دلائل قطعیہ سے ماخوذ ہوتے ہیں اس لیے ان میں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی بہ خلاف حوادث کے کہ ان میں ہر وقت اور ہمہ آن دوسرے احتمالات کا امکان رہتا ہے احادیث و اخبار کی حیثیت جزئیات کی ہے اور قواعد کا مقام کلیات کا ہے[3]

---

[1] امام اعظم و علم حدیث مولانا محمد علی کاندھلوی ۵۸۷
[2] ایضاً ص ۵۸۸
[3] الموافقات للشاطبی ج ۳ ص ۳۲

اس کی ایک مثال قرآن و سنت میں وضو میں سر کے مسح کے لیے ایک عمومی ضابطہ مذکور ہے مثلاً قرآن میں ہے وامسحوا برؤسکم۔ اور حدیث میں بھی ہے۔ وَمَسَحَ عَلیٰ رَاسِہٖ ؟ لیکن کچھ حدیثوں میں سر کی جگہ عمامہ پر مسح کا ذکر آیا ہے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے مسح سر کے اس ضابطہ حتمی کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑ جائے جو قرآن مجید اور سنت متواتر سے ثابت ہے اگر روایات مسح عمامہ صحیح بھی ہوں تو ان کو مطالب کا ایسا جامہ پہنایا جائے گا جس سے مسح راس کی قطعیت پر کوئی حرف نہ آئے۔

علامہ عبداللہ دراز دمیاطی رقمطراز ہیں کہ مسح عمامہ کی احادیث عذر پر محمول کی جائیں گی مثلاً سر میں زخم یا کسی اور بیماری کو اس قاعدہ عامہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا [1]

علامہ شاطبی اس پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جب بذریعہ استقرار ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو چکا ہے پھر اگر کوئی جزئیہ سامنے آجائے جو اس قاعدہ کے خلاف ہو تو جزئیہ کے لیے ایسا محمل تجویز کرنا ہو گا جس سے وہ قاعدہ عام سے ہم آہنگ ہو جائے کیونکہ قاعدہ کی کلیت کا علم تو پوری شریعت کے سسٹم کو دیکھ کر ہوا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس خاص جزئیہ کی وجہ سے قواعد کی عمارت کو مسمار کیا جائے [2]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس میں امام مالک بھی امام اعظمؒ کے ہمنوا ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دوسری صدی کے فقہاء کا مسلک ہے کہ اخبار آحاد کے قابل عمل اور قابل احتجاج ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے قوانین کلیہ کے خلاف نہ ہوں بزرگوں کو یہ مسلک حضرت ابوبکر، عمر، عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ورثہ میں ملا ہے۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے الموافقات میں اس پر مستقل عنوان کے تحت بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ۔ ابن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم نے اخبار آحاد کو اصول اسلامیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا تھا اور اس موضوع پر شاطبی نے امام مالکؒ کا مذہب

---

[1] التعلیقات علی الموافقات ج ۴ ص ۲۶۰

[2] الموافقات للشاطبی ج ۳ ص ۱۰

بھی کھول کر بتایا ہے وہ فرماتے ہیں۔
اس مسئلے کی سلف میں اصل موجود ہے حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ [1] کو اسی وجہ سے رد کر دیا کہ قرآن مجید کے اس ضابطہ کے خلاف ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ [2]
نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کو جس میں رؤیت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کی وجہ سے نامنظور کیا اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نحوست والی روایت کو ضابطہ قرآنی إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ کے خلاف قرار دیا کہ اسلام نے نحوست کا اعلان نہیں کیا بلکہ ایام جاہلیت میں لوگوں کے اعتقاد کا ذکر فرمایا ہے [3]
الغرض دوسری صدی کے محدثین کا نقطہ نظر اخبار آحاد کے بارے میں واضح اور صاف یہ تھا کہ خبر واحد اگر شریعت کے کسی مسلمہ قاعدے کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں ہے۔
علامہ شاطبی نے امام مالک کا بھی یہی نظریہ بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اذا جاء معارضًا لقاعدة من قواعد الشرع هل يجوز العمل به ام لا؟ فقال ابوحنيفة لا يجوز العمل به وقال الشافعى يجوز وتردد فى المسئلة قال ومشهور قوله والذى عليه المعمول ان الحديث ان عضدته قاعدة اخرى قال به وان كان وحده تركه [4]

اگر خبر واحد کسی قاعدہ شریعت کے معارض ہو تو کیا اس پر عمل جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے

---

[1] میت کو عذاب دیا جائے گا اس کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے
[2] کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔
[3] الموافقات ج ۳ ص ۱۹
[4] الموافقات للشاطبی ج ۳ ص ۲۰ بحوالہ امام اعظم وعلم حدیث ص ۵۹۰

فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جائز ہے اور امام مالک کا مشہور اور قابل اعتماد قول یہی ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل جائز ہے اور اگر نہ ہو تو اس کا چھوڑ دینا ہی صحیح ہے۔

معانی قرآن سے متصادم روایت حدیث کی اصطلاحی صحت کے بعد اسے اپنانے اور اس کی مقبولیت کے لیے امام اعظم ایک شرط یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ حدیث کسی درجے میں معانی قرآن سے متصادم نہ ہو اور اس شرط کے عائد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اپنے مدلول اور مفہوم میں قطعی نہیں ہے لیکن اپنے منطوق میں وہ حتمی اور قطعی ہے اور احادیث اخبار آحاد ہونے اور روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے اپنے منطوق اور اپنے مفہوم میں ہرگز قطعی نہیں ہیں حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

قد یختلف صیغ حدیث لاختلاف الطرق و ذالک من جھۃ نقل الحدیث بالمعنیٰ

حدیث میں الفاظ متعدد طرق سے آنے کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں اور اختلاف الفاظ کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کو روایت بالمعنیٰ کیا گیا ہے[۱]

حافظ ابن عبد البر الانتقار میں لکھتے ہیں کہ

امام اعظم اخبار آحاد کو اپنے یہاں جمع کردہ حدیثوں اور معانی قرآن پر پیش فرماتے تھے۔ ان حدیثوں میں جو اپنے معنیٰ میں منفرد ہوتی تھیں ان کو ترک کر دیتے اور ان کا نام شاذ رکھتے[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار آحاد اگر معانی قرآن کے خلاف ہوتی تھیں تو آپ کے یہاں درجہ قبولیت نہ ملتا تھا۔ خواہ وہ معانی قرآن قرآن کا منطوق ہوں یا مدلول اگر خبر واحد ان کے خلاف ہوتی تو خبر واحد کے صحت کے لیے آپ اسے علت قادحہ قرار دیتے۔

دراصل اخبار آحاد میں تعلیل کا مسئلہ نہایت ہی نازک ترین مسئلہ ہے۔ مجتہدین کی نظر اس معاملہ

---

[۱] امام اعظم و علم حدیث ص ۵۹۳

[۲] الانتقار لابن عبد البر ص ۱۴۹

میں الفاظ متن اور اسنا دہی پر نہیں ہوتی بلکہ ان کو تقابلی مطالعہ میں لے سے شریعت کے پورے نظام کو سامنے رکھ کر جانچنا ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی وجوہ متعدد ہوتی بلکہ بعض اوقات متبائن ہوتی ہیں چنانچہ امام حازمی شروط الائمۃ الخمسہ میں رقمطراز ہیں۔

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اخبار آحاد کے ضعیف ہونے کی وجوہ ایک سے زیادہ ہونے کے ساتھ مختلف بھی ہوتی ہیں اور اہل علم اس موضوع پر مختلف نقطہ ہائے نظر رکھتے ہیں اور ان میں بزرگترین وجہ یہ ہے کہ حدیث کی مقبولیت کا دار و مدار ظاہر شرع کی ہمنوائی پر ہے اور محدثین کے نزدیک دوسرے اسباب ہیں [1]

ایک مثال ایک مثال سے میں اس کی وضاحت کرتا ہوں حدیث پاک میں ہے:

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا [2]

یعنی خرید و فروخت کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہو۔

یہ حدیث کتب احادیث ہیں متعدد طرق سے منقول ہے محدثین نے اس کی سند میں ضعف کی علت نکالی ہے الجزائری لکھتے ہیں:

وھو معلل غیر صحیح والعلۃ فی قولہ عن عمرو بن دینار انما ھو عن عبداللہ ابن دینار عن ابن عمر ھکذا رواہ الائمۃ من اصحاب سفیان فوھم یعلی بن عبید وعدل عن عبد بن دینار الی عمرو بن دینار وکلاھما ثقۃ [3]

یعنی اس میں علت یہ ہے کہ سند میں عمرو بن دینار آیا ہے حالانکہ عمرو بن دینار نہیں بلکہ عبداللہ بن دینار ہے ائمہ نے ایسا ہی روایت کیا ہے یعلی بن عبید کو وہم ہو گیا اور عبداللہ

---

[1] شروط الائمۃ الخمسۃ لامام حازمی ص ۵۲ بحوالہ امام اعظم و علم حدیث ص ۵۹۴

[2] ترمذی ج اول ص

[3] توجیہ النظر ص ۲۶۶

کی جگہ عمرو مذکور ہوگیا؟

لیکن فقہاء میں سے امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ نے دوسری علت نکالی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث زمانہ فقہاء سبعہ میں منظر عام پر نہیں آئی اور اس کے ہمعصر فقہاء اس سے واقف نہیں۔ لہذا یہ حدیث ظاہری معنی کے لحاظ سے قابل حجت نہیں ہے[1]

خلاصہ یہ کہ حدیث جب شریعت کے موافق ہو اور قرآن مجید اس کا موید ہو اور آثار بھی اس کی تائید کرتے ہوں تو ایسی حدیث کی تصدیق ضروری ہے ورنہ نہیں۔

خطیب بغدادی کی رائے

ابوبکر خطیب بغدادی لکھتے ہیں خبر واحد کو مندرجہ ذیل صورتوں میں قبول نہ کیا جاوے۔

۱۔ جب حکم قرآن کے خلاف ہو۔

۲۔ جب عقل صریح کے خلاف ہو۔

۳۔ جب سنت مشہور کے خلاف ہو۔

۴۔ جب دلیل قطعی کے خلاف ہو[2]

مولانا ابوالوفار افغانی نے الرد علی سیر الاوزاعی کی تعلیق میں مزید شرطیں بھی لکھی ہیں۔

۵۔ اجماع کے خلاف نہ ہو۔

۶۔ راوی کوئی بات ذکر کرے جسے عادۃً متواتر ہونا چاہیے تھا مگر وہ راوی اس میں منفرد ہے۔ تو ان سب صورتوں میں خبر واحد قابل قبول نہ ہوگی[3]

حافظ ابوبکر الجصاص الحنفی کی رائے

حافظ ابوبکر الجصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم (یعنی تمہارے پروردگار کی طرف سے جو تم پر نازل ہوا اس کی اتباع کرو) سے معلوم ہوتا ہے

---

[1] الانصاف ص ۳۰ (شاہ ولی اللہ)

[2] الکفایہ ص ۴۳۲

[3] الفقیہ والمتفقہ بحوالہ التعلیق الرد علی سیر الاوزاعی ص ۲۸

کہ قرآن مجید کی اتباع بہر حال واجب ہے اور قرآن مجید پر اخبار آحاد کو فوقیت نہیں دی جا سکتی کیونکہ قرآن کی اتباع دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور آحاد کا ثبوت ظنی ہے [۱]

کشف الاسرار میں علامہ عبد العزیز بخاری لکھتے ہیں کہ

ثقہ راوی کی حدیث کو قرآن مجید کی مخالفت کی بنا پر رد کرنے پر سب فقہاء کا اتفاق ہے علاوہ ان ظاہریہ کے جو اخبار آحاد کو بھی متواتر کی طرح قطعی کہتے ہیں ان کے مکتب میں خبر واحد اور کتاب اللہ کو ایک ہی ترازو میں تولا جاتا ہے لہٰذا ان سے اس موضوع پر بات ہی بیکار ہے [۲]

علامہ ابن دقیق العید کا قول

ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء کرام امام اعظم کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ اخبار آحاد اگر اصول معلومہ کے معارض ہوں تو قابل قبول نہیں لکھتے ہیں:

خص الرد بخبر الواحد بالمخالفة للاصول لا بمخالفة قياس الاصول [۳]

خبر واحد کے رد کو خاص کر دیا گیا ہے اصول کی مخالفت کی بنا پر نہ کہ قیاس اصول کی مخالفت کی وجہ سے علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں یہی بات لکھی ہے [۴]

سنت مشہورہ سے معارض حدیث

اخبار آحاد اگر سنت مشہورہ سے متعارض ہوں خواہ محدثین نے اس کی صحت پر کتنی ہی مہریں لگائی ہوں مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی اخبار آحاد کے لیے علت قادحہ قرار دیتے ہیں اور اصحاب ظواہر کو چھوڑ کر سب فقہاء کا یہی نظریہ ہے صرف اصحاب ظواہر کے نزدیک آحاد کو جانچنے کا کوئی معیار نہیں ہے ان کے نزدیک ہر حدیث محدثین کی اصطلاحی صحت کے بعد اصل بن جاتی ہے [۵]

---

[۱] احکام القرآن للجصاص الحنفی ج ۲ ص ۲۸

[۲] کشف الاسرار ج ۲ ص ۱۰

[۳] احکام الاحکام لابن دقیق العید ج ۲ ص ۱۲۷

[۴] نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۵

[۵] امام اعظمؒ اور علم حدیث ۶۰۵

ایک مثال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر بھر اور تعامل صحابہ کی وجہ سے امت کو یہ کلیہ معلوم ہوا ہے کہ امامت کے لیے وہ شخص آگے ہوگا جو عاقل اور بالغ ہو لیکن اس کے مقابلہ میں عمرو بن سلمہ کی ایک منفرد روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے چھ سال کی عمر میں اپنے قبیلہ کو امامت کرائی لے

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فیه جواز امامة الصبی و وجه الدلالة ما فی قوله لیؤمکم اکثرکم قراناً من العموم۔

یعنی یہ حدیث بچے کی امامت کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اکثرکم قراناً کا جملہ عام ہے ٢ے

لیکن دوسری صدی کے فقہاء و محدثین نے اس حدیث کو سنت مشہورہ و تعامل صحابہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔ لیث بن سعد۔ عطاء بن ابی رباح۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ و امام شعبیؒ۔ امام مالکؒ۔ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا اور اس کو ایک جزئی واقعہ قرار دیکر یہ تاویل کی ہے کہ یہ ان نومسلموں کا اپنا اجتہاد تھا کہ معصوم بچے کو امام بنا لیا اور منتقی الاخبار میں اس موضوع پر بہت سی روایات منقول ہیں کہ بچے کو امام نہیں بنایا جا سکتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان صاف اور واضح ہدایات کی روشنی میں اپنی خداداد فقاہت سے امامت کے اس ضابطہ عام کو جو سنت کی راہ سے آیا ہے اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا۔ بلکہ محدثین نے اس کی سند پر بحث کرتے ہوئے اس کو ضعیف ثابت کیا ہے ٣ے

اخبار آحاد کا تواتر سے معاوضہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار آحاد کو تواتر کے پیمانے پر بھی ماپا ہے تواتر کا مطلب ہے

لے منتقی الاخبار ج ٣ ص ١۴٠

٢ے نیل الاوطار ج ٣ ص ١۴٠ بحوالہ امام اعظم و علم حدیث ص ٦٠٦

٣ے المحلی ج ۴ ص ٢١٨

ما علیہ الجماعۃ یعنی صحابہ وتابعین کا عمل ۔

مصر کے مشہور فقیہ ومحدث فقیہ لیث بن سعد نے امام مالک کو خط لکھا کہ جب کوئی ایسا مسئلہ آئے کہ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ابوبکر وعمر وعثمان نے عمل کیا ہو تو ہماری ایسے مسئلے کے بارہ میں رائے یہ ہے کہ اس کی مسلمانوں کو ہرگز ہرگز اجازت نہ دی جائے وہ اب کوئی کام کریں جو ان صحابہ وتابعین واسلاف کے عمل کے سرتاسر خلاف ہو۔

حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے :

فھذا النقل وھذا العمل حجۃ یجب اتباعھا وسنۃ متلقاۃ بالقبول علی الرأس والعینین واذا ظفر العالم بذلک قرت بہ عینہ واطمأنت الیہ نفسہ[1]

یہ نقل اور یہ عمل واجب الاتباع دلیل ہے اور ایک ایسی سنت ہے جسے تلقی بالقبول حاصل ہے اگر ایسی کوئی دلیل مل جائے تو دل کی ٹھنڈک اور اطمینان کا موجب ہے ۔

اسکی ایک مثال اس کی ایک مثال مسئلہ رفع یدین ہے ۔ تکبیر تحریمہ کی حد تک تو رفع یدین کا مسئلہ اتفاقی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

لم یختلفوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حین یفتتح الصلوٰۃ ۔

یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے ۔

لیکن رفع یدین میں اختلاف ہے تو تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے موقع ہیں ہے اور اسکی مشہور روایت حضرت عبداللہ بن عمر والی ہے ۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع الخ[2]

---

[1] اعلام الموقعین ج ۳ ص ۹۶

[2] مشکوۃ ج اول ص ۷۴

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور تکبیر کہتے پھر رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے اس پر علامہ محمد معین سندھی نے دراسات اللبیت میں لکھا ہے :

اِنَّ اَحَادِیْثَ الرَّفعِ فِی کُلِّ خَفضٍ وَرَفعٍ مُتَوَاتِرَۃٌ تُوجِبُ یقین العلم[1]

یعنی ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت رفع یدین کی احادیث متواتر ہیں اور یقینی علم کا فائدہ دیتی ہیں ۔ مگر اس کے مقابلے میں علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر نے تنقیح الانظار میں علامہ محمد بن اسماعیل نے توضیح الافکار میں حافظ زین الدین عراقی نے تصریحات میں وضاحت کی ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی احادیث متواتر ہیں ۔ اس پر محاکمہ کرتے ہوئے امام اعظم کا قول یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مواقع رفع یدین میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت مختلف ہے حضرت سالم کی سند کے ساتھ تین جگہ رفع یدین ہے نافع کی سند میں چار جگہ اور طبرانی میں پانچ جگہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے تو اس بنا پر تعامل صحابہ کو ہی دیکھا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا ۔ تو جب کوفہ میں دیکھا کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب اور عبداللہ بن مسعود کے اصحاب اور کوفہ کی پوری آبادی میں بسنے والے صحابہ کا عمل ترک رفع یدین کا ہے تو انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ ترک رفع یدین ہی راجح ہے ۔

اور یہی حال زمانہ امام مالک میں مدینہ طیبہ کا ہے چنانچہ ابن رشد نے ہدایہ میں اسی کو امام مالک کی روایت ترک رفع کو اختیار کرنے کی بنیاد بتایا ہے ۔

ان السبب لروایۃ الترک عن مالک ھو عمل اھل المدینۃ اذ ذالک فھذا العدا العظیم لعلہ مبنی علی الترک[2]

---

[1] دراسات اللبیب ص ۱۹۰

[2] ہدایۃ المجتہد لابن رشد بحوالہ امام اعظم وعلم حدیث مولانا محمد علی کاندھلویؒ ص ۶۱۵

یعنی امام مالک نے ترک رفع یدین کا قول اہل مدینہ کے عمل کی وجہ سے اختیار کیا ہے اور اسی طرح مکۃ المکرمہ میں ترک رفع یدین کا عمل ہے۔

جب کوفہ، مدینہ، مکہ کے فقہاء وصحابہ کا عمل ترک رفع یدین دیکھا تو امام اعظم نے احادیث رفع یدین کو اسی پیمانے پر ناپ کر صرف تکبیر تحریمہ والے رفع یدین کو اختیارات فرمالیا اور باقی کو خلاف اولی قرار دیا۔ (واضح رہے رفع یدین میں اختلاف جواز و عدم جواز میں نہیں ہے بلکہ اولویت اور عدم اولویت میں ہے)۔

بہرحال امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اخبار آحاد کو تعامل کے ترازو میں بھی تولتے ہیں اگر تعامل صحابہ اس کی تائید کرے تو قابل حجت کہتے ہیں ورنہ تعامل کو راجح قرار دیتے ہیں۔

امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں اسی کو اپنایا ہے ترمذی شریف کا مطالعہ کیجیے تو قدم قدم پر آپ کو نظر آئے گا والعمل علی ھذا عند اھل العلم اس سے ان کا منشا اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اس حدیث کو صحابہ اور تابعین کی عملی تائید حاصل ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔

بہرحال مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہوا امام اعظم اور دیگر فقہاء نے خبر واحد کو بغیر کسی قیل قال کے معمول بھا قرار نہیں دیا بلکہ چند شرائط کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے (واللہ اعلم بالصواب)

ابو محمد علی بن حزم ظاہری کا مسلک

اصحاب ظواہر کے پیشوا حافظ ابو محمد علی بن حزم ظاہری کا مسلک ذکر کرتے ہوئے ابو سلیمان اور حسین بن علی الکرابیسی کہتے ہیں:

ان خبر الواحد العدل عن مثلہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوجب العلم والعمل معًا وبھذا نقول وقد ذکر ھذا القول احمد بن اسحق المعروف بابن خویز منداد عن انس بن مالک الخ[1]

یعنی خبر واحد عادل شخص کی جبکہ وہ عادل شخص سے ہی روایت کرے اور رسول اللہ

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج اول ص ۱۱۹ مطبع ضیاء السنۃ فیصل آباد مصنفہ احمد محمد شاکر

صلی اللہ علیہ وسلم تک سند پہنچے تو علم وعمل کو واجب کرتی ہے اور ہم یہی کہتے ہیں اور امام احمد بن اسحاق المعروف ابن جویز منذاد نے انس بن مالک کا بھی یہی قول ذکر کیا ہے۔

وقال الحنفیون والشافعیون وجمہور المالکین وجمیع المعتزلة والخوارج ان خبر الواحد لا یوجب العلم الخ [1]

اور احناف اور شوافع اور جمہور مالکیہ اور تمام معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ خبر واحد یقین کو واجب اور ثابت نہیں کرتی ؟

اور یہ سب کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اس خبر میں کذب ہو یا وہم ہو۔

اور ہمارے اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ امکان کذب و امکان وہم و امکان سہو تو ہر خبر میں ہو سکتا ہے خبر واحد ہی کو اس کے لیے کیوں خاص کیا جاتا ہے۔

اور ابو بکر بن کیسان الاصم البصری کہتے ہیں :

لو ان مائة خبر مجموعة قد ثبت انها کلها صحاح الا واحدا منها لا یعرف بعینه ایها هو قال فان الواجب التوقف عن جمیعها فکیف وکل خبر منها لا یقطع علی انه حق متیقن ولا یؤمن فیه الکذب والنسخ والغلط [2]

یعنی اگر ایک سو خبروں کا مجموعہ ہو اور سب خبروں کا صحیح ہونا بھی ثابت ہو مگر ایک خبر غیر معلوم کے بارہ میں شک ہو تو سب خبروں میں توقف واجب ہوتا ہے تو اس طرح ہر خبر کے حق اور یقینی ہونے کا قطعی حکم نہیں دیا جا سکے گا۔ اور نہ ہی اس میں کذب اور نسخ اور غلطی سے محفوظ ہونا ممکن ہوگا۔

ابن حزم کا جواب

ابن حزم ظاہری کہتے ہیں ابن کیسان کا قول : دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خبر واحد (بے سند) اور خبر منسوخ پر بحث

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج اول ص ۱۰۸ مطبع ضیاء السنة فیصل آباد

[2] ایضاً

کی جائے گی اور جب یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ بے سند خبر ہے یا منسوخ ہے تو اس سے اجتناب کیا جائے گا، ورنہ عمل سب خبروں پہ واجب ہو گا کیونکہ ہر خبر پر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے تحت عمل کرنا واجب ہے اگر تمہاری بات مان لیں کہ خبر میں وہم اور کذب اور نسخ کا امکان ہوتا ہے تو یہ چیز آیت قرآنی میں ہو سکتی ہے اس لیے کہ آیات قرآنی کے بارہ میں نسخ کا حکم اترا ہے ارشاد ربانی ہے

ماننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا [1]

ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں تو اس آیت کی بنا پر کبھی ابن کیسان یا کسی دوسرے مسلمان نے عمل نہیں کیا۔

ان الواجب التوقف عن العمل بشیٔ من القرآن [2]

کہ قرآن مجید کی کسی آیت پر عمل کرنے میں توقف واجب ہے۔

جب تک کہ کسی آیت کے یقینی طور پر منسوخ ہونے کا علم نہ ہو اس وقت تک عمل نہیں چھوڑا جا سکتا۔

دلائل اصحاب الظواہر اصحاب الظواہر (جو آیات اور احادیث کے ظاہری مفہوم پہ عمل کرتے ہیں) اپنے مسلک کے ثبوت کے لیے قرآنی آیات اور احادیث سے جو دلائل پیش کرتے ہیں ہم ان میں سے چند دلائل ذکر کرتے ہیں

دلیل اول وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی [3]

اور وہ اپنے خواہش سے نہیں بولتے وہ صرف وحی ہی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

دلیل ثانی انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون [4]

ہم ہی ذکر کو نازل کرتے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

---

[1] بقرہ آیت نمبر ۱۰۶

[2] الاحکام فی اصول الاحکام احمد محمد شاکر ج اول ص ۱۲۰

[3] نجم آیت نمبر ۳

[4] الحجر : ۹

ان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلہ فی الدین وحی من عند اللہ عزوجل لاشک فی ذالک ولاخلاف بین احد من اہل اللغۃ والشریعۃ فی ان کل وحی نزل من عند اللہ تعالیٰ فھو ذکر منزل فالوحی کلہ محفوظ بحفظ اللہ تعالیٰ لہ بیقین فکل ما تکفل اللہ بحفظہ فمضمون ان لایضیع منہ الخ لہ

یعنی دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ کلام وحی ہے اللہ کی طرف سے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور کسی صاحب لغت اور صاحب شریعت کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس بات میں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترا ہے وہ ذکر ہے۔ اور وحی سب کی سب محفوظ ہے اللہ کی حفاظت کے ساتھ اور ہر وہ چیز جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہو وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہوتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز بھی محرّف نہ ہوسکے گی کیونکہ اگر اس میں ذرا بھر بھی فرق پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کی کلام میں کذب لازم آتا ہے جو کچھ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے ہیں وہ سب آج تک محفوظ ہے لہٰذا خبر واحد بھی محفوظ اور معتمد ہے۔

جواب لیکن علماء اہل سنت اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جھگڑا تو خبر واحد میں ہے مطلق وحی الٰہی میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ قرآنی آیات کے بارہ میں ہے ہر خبر کے بارہ میں نہیں ہے ورنہ موضوع روایات اور ضعیف روایات منقول ہی نہ ہوتیں؟ (فافہم)

دلیل ثالث قال ابو محمد واستدرکناہ برھانا فی وجوب قبول خبر الواحد قاطعا وھو خبر اللہ تعالیٰ عن موسیٰ علیہ السلام اذ جاءہ رجل من اقصی المدینۃ یسعی قال یا موسیٰ ان الملأ یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین الخ لہ

لہ الاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۲۱

لہ الاحکام محمد احمد شاکر ج اوّل ص ۱۳۸

ابو محمد علی بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ ہمیں خبر واحد کی قبولیت پر قطعی دلائل معلوم ہوئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی خبر ہے موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کہ ایک شخص شہر کے آخری کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون تیرے بارہ میں قتل کے مشورے کر رہے ہیں تو یہاں سے نکل جائیں تیرے لیے خیر خواہوں
تو موسیٰ علیہ السلام اس ایک آدمی کی خبر سن کر ڈر کر چھپ گئے۔

فصدق موسیٰ علیہ السلام قول المنذر له ۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے اس ڈرانے والے کی بات کی تصدیق کی معلوم ہوا خبر واحد معتبر ہے ۔

اس کے علاوہ بھی ابو محمد علی بن حزم ظاہری نے خبر واحد کو بغیر کسی قیل و قال کے قبول کرنے کی بے شمار تاویلات بیان کی ہیں ان کا ذکر کرنا باعث طوالت ہے صاحب ذوق حضرات الاحکام فی اصول الاحکام ج اول ص ۱۰۸ سے ص ۱۵۰ تک کا مطالعہ کریں ۔

خبر واحد کے ثبوت میں امام شافعیؒ کے دلائل

گذشتہ صفحات میں ہم اجمالاً یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اخبار آحاد کو قابل اعتماد اور واجب العمل سمجھتے ہیں ان کے اس نظریے کی تفصیل الرسالہ جزء ثالث میں موجود ہے اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔

قال الشافعی : فان قال قائل اذکر الحجة فی تثبیت خبر الواحد بنص خبر او دلالة فیه او اجماع ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی کہنے والا کہے کہ خبر واحد کے ثبوت میں کوئی دلیل ذکر کرو جو صریح النص ہو یا دلالۃ النص ہو یا اجماع ہو تو میں کہوں گا ۔

اخبرنا سفیان عن عبد الملك بن عمیر عن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیه ان النبی قال نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه الخ [1]

---

[1] الرسالة لامام الشافعی حصہ سوم ص ۱۶۵ مطبع مصطفیٰ البابی مصر

ہمیں خبر دی سفیان نے عبد الملک بن عمیر سے انہوں نے خبر دی عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود سے انہوں نے خبر دی اپنے والد سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش وخرم رکھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے میری گفتگو سنی پس اسے حفظ کیا اور یاد کیا اور آگے پہنچایا۔ پس بہت سے لوگ غیر فقیہ حامل فقہ ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنے سے بڑے فقیہ اور عالم کے پاس بات پہنچاتے ہیں۔ اس حدیث سے متعدد باتیں معلوم ہوئی ہیں۔

۱۔ اس حدیث میں واحد کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور ایک راوی حدیث کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ بھی خبر کو محفوظ ہے۔

۲۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کبھی غیر فقیہ بھی فقہ کا حامل ہوتا ہے اور غیر فقیہ ہونے کے باوجود حدیث کا محافظ ہوتا ہے۔

۳۔ جس کی طرف خبر پہنچائی جا رہی ہے وہ اس پہنچانے والے کی بات کو حجت سمجھے کیونکہ بعض اوقات فقیہ کے پاس بھی وہ بات نہیں ہوتی جو غیر فقیہ کے پاس ہوتی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ خبر واحد بھی حجت ہوتی ہے۔

دلیل دوم

زید بن اسلم عطا بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا اور اسے بہت لذت آئی مگر وہ گھبرا گیا کہ شاید ہمارا روزہ ٹوٹ نہ گیا ہو؟ تو اس نے اپنی بیوی کو مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا پس وہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور اس کو یہ قصہ سنایا تو حضرت ام سلمہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے اس عورت نے جا کر اپنے خاوند کو یہ بات بتائی تو خاوند نے کہا۔

لَسْنَا مثل رسول اللہ ﷺ یحل اللہ لرسولہ ما شاء۔

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لیے جو چاہے حلال کر دیتا ہے۔

وہ عورت دوبارہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے آپ نے پوچھا یہ عورت کیوں آئی ہے ام سلمہ نے سارا قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نہیں بتایا کہ میں بھی ایسا کر لیتا ہوں (لہٰذا روزہ نہیں ٹوٹتا)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی میں نے اسکو بتا دیا تھا مگر اس کا خاوند کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے۔

فغضب رسول الله ثم قال والله انی لاتقاکم لله ولاعلمکم بحدوده[1]

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ناراض ہوئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ میں بنسبت تمہارے اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور میں تم سے زیادہ اللہ کی حدود کو جانتا ہوں۔

قال الشافعی فی ذکر قول النبی صلی الله علیه وسلم الا اخبرتها انی افعل ذلك دلالة علی ان خبر ام سلمة عنه مما یجوز قبوله۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان الا اخبرتھا میں دلالت ہے اس بات پر کہ خبر ام سلمہ ایسی ہے کہ اس کو قبول کرنا جائز ہے۔

وھکذا خبر امرأته ان کانت من اھل الصدق عنده[2]

اور اسی طرح ایک عورت کی خبر بھی قبول کرنا جائز ہے جبکہ وہ اہل صدق میں سے ہو۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے۔

دلیل سوم عن ابن عمر قال بینما الناس بقباء فی صلاة الصبح اذ اتاھم اٰتٍ فقال ان رسول الله قد انزل علیه قرآن وقد امر ان یستقبل القبلة فاستقبلوھا وکانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبة[3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم مسجد قبا میں نماز صبح پڑھ رہے تھے اچانک ایک شخص آیا اور کہنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی ابھی قرآن اترا ہے اور آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیں یہ خبر سنتے ہی سب

---

[1] کتاب الرسالہ للشافعی ص ۱۷۶

[2] ایضاً ص ۱۷۷

[3] ایضاً ص ۱۷۷

نمازی قبلہ رخ پھر گئے جبکہ ان کے چہرے شام کی طرف تھے ۔

الشافعیؒ لم یکن لهم ان یدعو فرض الله فی القبلة الا بما یقوم علیهم الحجة ولم یلقوا رسول الله ولم یسمعوا ما انزل الله علیه فی تحویل القبلة فیکونون مستقبلین بکتاب الله وسنة نبیه سماعًا من رسول الله ولا بخبر عامة وانتقلوا بخبر واحد اذا کان عندهم من اهل الصدق الخ[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ صحابہ اللہ کے فرض کو چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ صحیح حجت قائم نہ ہو اور نہ وہ رسول اللہ سے ملے نہ انہوں نے تحویل قبلہ کے لیے اترنے والی آیت کو سنا پس وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کرنے والے تھے جبکہ وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں لیکن یہاں نہ تو انہوں نے رسول اللہ سے سنا اور نہ ہی عام خبر تھی بلکہ ایک شخص سے خبر سن کر فوراً قبلہ کی طرف منتقل ہو گئے جبکہ وہ ایک شخص ان کے نزدیک اہل صدق میں سے تھا تو معلوم ہوا خبر واحد معتبر اور حجت ہے ۔

دلیل چہارم

عن انس بن مالك قال كنت اسقى ابا طلحة وابا عبيدة بن الجراح وابى ابن كعب شرابا من فضيخ وتمر فجاءهم اتٍ فقال ان الخمر قد حُرِّمت فقال ابوطلحه قم يا انس الى هذه الجرار فاكسرها فقمت الى مهراس لنا فضربتها باسفله حتى تكسّرت[2]

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں ابوطلحہ ابوعبیدہ بن جراح اور ابی ابن کعب کو شراب پلایا کرتا تھا جو کہ گندم اور کھجور سے بنائی جاتی تھی ایک شخص نے آکر کہا کہ شراب حرام ہو چکی

---

[1] الرسالۃ للشافعی ص ۱۷۷ مطبوعہ مصر

[2] ایضاً ۱۷۸

ہے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے انس اُٹھ کر اس مٹکے کو توڑ ڈالو تو میں نے اُٹھ کر ہتھوڑے کا نچلا حصہ مارا اور توڑ ڈالا ؟

دیکھو ابو طلحہ نے اس ایک شخص کی خبر کو صحیح سمجھتے ہوئے شراب کا مٹکا توڑ ڈالا اور اس خبر کی تحقیق کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا ضروری نہ سمجھا یہ اس لیے ہی تھا کہ خبر واحد معتبر ہوتی ہے۔

دلیل پنجم عن عمرو بن سلیم الزُّرَقِی عن امه قالت بینما نحن بمنیً اذا علی ابن ابی طالب علی جمل یقول رسول الله یقول ان هذه ایام طعام وشرب فلا یصوم احدٌ فاتبع الناس وهو علی جملہ یصرخ فیھم بذالک[له]

حضرت عمرو بن سلیم الزُّرقی اپنی والدہ سے روایات کرتے ہیں ہم منیٰ میں موجود تھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ نے اپنے اونٹ پر اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ ایام (ایام تشریق) کھانے پینے کے ہیں کوئی شخص روزہ نہ رکھے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے جا رہے اور چیخ چیخ کر یہ اعلان کر رہے تھے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا حالانکہ حج کا موقع تھا آپ خود بھی براہ راست گفتگو کر سکتے تھے اور متعدد شخص بھی بھیج سکتے تھے مگر آپ نے اسی ایک کو بھیجنے پر اکتفا کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے کتاب الرسالۃ میں بہت سی احادیث نقل فرما کر ثابت کیا ہے کہ خبر واحد جبکہ وہ اہل صدق میں سے قبول کر لی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ آخر میں جا کر خلاصہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کہ ہم نے بےشمار محدثین اور فقہاء کو یہ کہتے سنا کہ حدثنی فلان عن النبی کہ فلاں شخص نے نبی کریم سے یہ روایت کی ہے۔

له الرسالۃ للشافعی ص ۱۱۷ مطبوعہ مصر

مثلا وجدنا طاؤسا ومجاهدا وابن ابی ملیکۃ وعکرمۃ بن خالد وعبید اللہ بن ابی یزید ووجدنا وھب من منبّہ بالیمن ھکذا ومکحولاً بالشام والحسن وابن سیرین بالبصرہ والاسود وعلقمۃ والشعبی بالکوفۃ کلھم یحفظ عنہ تثبیت خبر الواحد عن رسول اللہ والانتھاء الیہ والافتاء بہ ویقبلہ کل واحد منھم عمّن فوقہ ویقبلہ عنہ من تحتہ[1]

یعنی ہم نے حضرت طاؤس، حضرت مجاہد اور ابن ابی ملیکہ اور عکرمہ بن خالد اور عبید اللہ بن ابی یزید اور وہب بن منبّہ کو پایا یمن میں اور مکحول کو شام میں اور حسن اور ابن سیرین کو بصرہ میں اور اسود و علقمہ اور شعبی کو کوفہ میں کہ یہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کی روایت کی تثبیت کرتے تھے اور خبر واحد کے مطابق فتوے بھی دیتے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر والے کی خبر کو بھی قبول کرتا تھا اور اپنے سے نیچے والے کی خبر کو بھی قبول کرتے تھے۔

قال: فان شبّہ علی رجل بان یقول قد روی عن النبی حدیث کذا وحدیث کذا وکان فلان یقول قولاً یخالف ذلک الحدیث فلا یجوز عندی ان تثبیت خبر واحد ویحل بہ ویحرم ویرد مثلہ الا من جھۃ ان یکون عندہ حدیث یخالفہ او یکون ما سمع ومن سمع منہ اوثق عندہ ممن حدثہ خلافہ او یکون من حدثہ لیس بحافظ او یکون متھما عندہ او یُتّھم من فوقہ ممن حدثہ او یکون الحدیث محتملا معنیین فیتاول فیذھب الی احدھما دون الاخر[2]

---

[1] الرسالہ حصہ سوم ص ۱۹۶

[2] الرسالہ حصہ سوم ص ۱۹۷ مطبوعہ مصر

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر شبہ ہوا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتا ہے مگر دوسرا شخص اس حدیث کے مخالف بات روایت کرتا ہے تو اب خبر واحد کو ثابت کرنا میرے نزدیک جائز نہ ہوگا اور اس کے ساتھ علت اور حرمت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس ایک راوی کی حدیث مخالف کی روایت سے زیادہ ثقہ ہے یا وہ حافظ حدیث نہیں یا ذومعنی حدیث ہے گو تو تاویل کی جائے گی اس شخص کی روایت کو قبول کر لیا جاوے گا اور مخالف کی روایت کو رد کر دیا جاوے گا۔

مختصر المزنی الام (للشافعی) میں خبر واحد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکان الواجب ان لایقبل خبر علی شئ یکون له حکم حتی یکون عدلاً فی نفسه ورضا فی نفسه له

اور واجب ہے کہ جس شخص کی خبر میں کسی مسئلے کا حکم مذکور ہو اس کو قبول نہ کیا جاوے جب تک کہ وہ شخص فی ذاتہ عادل نہ ہو اور فی ذاتہ پسندیدہ نہ ہو۔

پھر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کی خبریں منقول ہیں ۱۔ خبر العامۃ ۲۔ خبر الخاصہ

خبر عام جو بہت سے لوگوں نے رسول اللہ سے نقل کی ہو اور خبر خاص جو خاص لوگوں نے کسی خاص حکم میں نقل کی ہو۔ خبر عام کو محمول کیا جاتا ہے فرائض پر جیسے تعداد نماز کا حکم۔ اور صوم رمضان کا حکم اور تحریم فواحش کا حکم وغیرہ وغیرہ۔

اس خبر میں تو سب کے اقوال و افعال متفق ہونے چاہئیں اور اس میں اہل علم اور عوام کو برابر علم ہونا چاہیے اس میں کسی جہالت کی گنجائش نہیں ہے۔

اور خبر خاص جیسے نماز میں مسجد سہو کا مسئلہ ہے اور حج میں فساد و عدم فساد کے احکام وغیرہ تو اس میں خاص شخص کی صفات و سیرت کو دیکھا جائے گا کہ وہ شخص صادق اور عادل ہے یا نہیں اگر صادق اور عادل و متقی ہو تو اس کی خبر کو قبول کر لیا جاوے گا جیسے کہ قبلہ کے بدلنے کی خبر ایک شخص

له مختصر المزنی الام ص ۷۶/۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان

نے دی تو صحابہ نے اس کی خبر کو قبول کر کے فوراً نماز کے اندر ہی بیت اللہ کی طرف رخ موڑ لیا[1]
ان سب حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شوافع کے نزدیک بھی خبر واحد کو مطلقاً قبول نہیں کیا جا سکتا بلکہ قیود مذکورہ کے بعد خبر واحد کو معتبر سمجھا جائے گا۔ اور اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

قبولیت روایت کی شرائط

تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی میں قبولیت روایت کی چار شرطیں منقول ہیں:

احداها: اجمع الجماهير من ائمة الحديث والفقه انه يشترط فيه ان يكون الراوي عدلاً ضابطاً بأن يكون مسلما بالغا عاقلا سليما من اسباب الفسق الخ

الثانية: تثبت العدالة بتنصيص عدلين او بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بين اهل العلم وشاع الثناء عليه بها كفى فيها الخ

الثالثة: يعرف ضبطه بموافقة الثقات المتقنين الخ[2]

الرابعة: يقبل التعديل من غير ذكر سببه على الصحيح المشهور الخ

۱۔ جمہور محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ راوی کی قبولیت روایت کی شرط یہ ہے کہ وہ راوی عادل ہو ضابط ہو مسلمان ہو عاقل ہو بالغ ہو اور تمام اسباب فسق سے بچنے والا ہو۔

۲۔ عدالت ثابت ہوتی ہے دو عادل شخصوں کی گواہی سے یا شہرت سے جس شخص کی عدالت اہل علم کے درمیان مشہور ہو اور اس کی تعریف لوگوں میں عام ہو چکی ہو تو اس کی قبولیت کے لیے یہ بات کافی ہے۔

۳۔ اس کا ضبط اور حافظہ ثقہ راویوں کے موافق ہو۔

---

[1] کتاب اختلاف الحدیث للشافعی ص ۴۷۶ مطبوعہ بیروت لبنان

[2] تدریب الراوی للسیوطی ص ۳۰۰ تا ۳۰۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔

۴ ۔ تعدیل کو قبول کر لیا جائے گا بغیر ذکر اسباب کے صحیح اور مشہور روایت پر یعنی کوئی شخص اس راوی کی صفائی دیتا ہے کسی صحیح اور مشہور حدیث کی روایت کرنے پر تو بغیر جرح کے اس کی روایت قبول کر لی جاوے گی ۔

محمد جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ اپنی تصنیف قواعد التحدیث میں خبر واحد پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اختلف العلماء فی حکمه فالذی علیه جماهیر المسلمین من الصحابة والتابعین فمن بعدهم من المحدثین والفقهاء واصحاب الاصول ان خبر الواحد الثقة حجة من حجج الشرع یلزم العمل بها ویفید الظن ولا یفید العلم وان وجوب العمل به عرفناه بالشرع لا بالعقل وذهب القدریة والرافضة وبعض اهل الظاهر الی انه لا یجب العمل به[1]

علماء کا خبر واحد کے حکم میں اختلاف ہے جمہور محدثین اور صحابہ و تابعین اور فقہاء اور اصحاب الاصول کہتے ہیں خبر واحد ثقہ حجت ہے شریعت کی حجتوں میں سے ۔ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور وہ مفید ظن ہے نہ مفید علم اور خبر واحد پر وجوب عمل شریعت سے معلوم ہوا ہے نہ کہ عقل سے ۔ قدریہ اور رافضیہ اور بعض اہل ظواہر کہتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل واجب نہیں ہے ۔

وقال الجبائی من المعتزلة لا یجب العمل الا بما رواه اثنان عن اثنین وقال غیره لا یجب العمل الا بما رواه اربعة عن اربعة وذهبت طائفة من اهل الحدیث الی انه یوجب العلم وقال بعضهم یوجب علم الظاهر دون الباطن وذهب بعض المحدثین الی ان الاحاد التی فی صحیح البخاری وصحیح المسلم

---

[1] قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص ۱۴۷ مطبوعہ بیروت

تفید العلم دون غیرھا من الاحاد وھذہ الاقاویل کلھا سوی قول الجمھور باطلۃ [1]

اور معتزلہ میں سے جبائی نے کہا ہے دو راوی اگر دو شخصوں سے روایت کریں تو عمل واجب ہے ورنہ نہیں اور بعض دوسروں نے کہا چار کی روایت پر عمل ضروری ہے اور محدثین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خبر واحد علم کو واجب کرتی ہے اور بعض کہتے ہیں علم ظاہر کو واجب کرتی ہے نہ باطن کو۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں صحیح بخاری و مسلم کی آحاد تو علم کا فائدہ دیتی ہیں دیگر کتب کی آحاد مفید علم نہیں ہیں۔ جمہور کے قول کے سوی باقی سب قول باطل ہیں۔

حصول المأمول ص ۵۶ کے حوالے سے قواعد التحدیث میں لکھا ہے:

قد دل علی العمل بخبر الواحد الکتاب والسنۃ والاجماع۔

کہ خبر واحد پر عمل کرنے پر کتاب وسنت اور اجماع کا ثبوت موجود ہے۔

اور جن لوگوں کو خبر واحد پر عمل کرنے سے تردد ہوا ہے دراصل وہ خارجی اسباب کی وجہ سے ہوا ہے اور وہ ہے تہمت للراوی یا وجود معارض راجح (اس کے مقابلے میں راجح روایت موجود ہو)

حافظ ابن القیم نے کہا ہے کہ حدیث کے تین درجے ہیں۔

۱۔ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے موافق ہو من کل وجہ۔

۲۔ قرآنی حکم کے لیے بیان واقع ہو۔

۳۔ قرآن مجید جس حکم سے ساکت ہے حدیث اس کے لیے وضاحت کرنے والی ہو اور اس کے لیے دلالت کرنے والی ہو۔

یہ تیسری قسم براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا ہے اور نبی کی اطاعت ہم پر ضروری ہے لہٰذا وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید سے زائد حکم ہم نہیں مانتے دراصل وہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (اللہ اور رسول کی اطاعت کرو) کے مخالف ہیں۔ حالانکہ شریعت کے بہت سے احکام

---

[1] قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص ۱۴۸ مطبوعہ بیروت

ہیں جو خبر واحد سے ثابت ہیں ۔ مثلاً

۱ ۔ خالہ اور پھوپھی کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے ۔

۲ ۔ رضاعت کے ذریعہ وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں ۔

۳ ۔ خیار شرط کا مسئلہ اور شفعہ کا مسئلہ ۔ دادی کی میراث کا مسئلہ ۔

۴ ۔ باندی جب آزاد ہو جائے تو اس کے اختیار کا مسئلہ ۔

۵ ۔ حائضہ عورت کا نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا ۔

۶ ۔ رمضان شریف میں روزہ رکھنے والے کے جماع کرنے پر کفارہ کے وجوب کا حکم ۔

۷ ۔ نبیذ تمر کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ ۔

۸ ۔ وجوب وتر کا حکم اور کم از کم حق مہر دس درہم کا حکم ۔

۹ ۔ بیٹی کی موجودگی میں پوتی کا چھٹا حصہ وراثت کا حکم ۔

۱۰ ۔ والد سے بیٹے کے قتل کا قصاص نہ لینے کا حکم ۔

۱۱ ۔ مجوسیوں سے جزیہ لینے کا حکم ۔

۱۲ ۔ دوسری مرتبہ چوری کرنے پر پاؤں کاٹنے کا حکم ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں سب کے سب خبر آحاد سے ثابت ہیں ان کی پوری تفصیل کیلیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے ۔

اگر ہم خبر واحد کو حجت نہ مانیں تو ان سب احکام کا حل مشکل ہو جاتا ہے اسلیے ضروری ہوگا کہ خبر واحد کو معتبر سمجھا جائے اور راوی کی تعدیل کے بعد اس خبر کو قبول کر لیا جائے [۱]

الامام الفقیہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ۔

قال فقهاء الامصار رحمهم الله خبر الواحد العدل حجة للعمل به فی امر الدین ولا یثبت به علم الیقین وقال بعض من لا یعتد بقوله : خبر الواحد لا یکون حجة فی الدین اصلاً [۲]

---

[۱] قواعد التحدیث محمد جمال الدین القاسمی ص ۱۴۹ ، ۱۵۰ مطبوعہ بیروت

[۲] اصول السرخسی للامام ابوبکر محمد بن احمد سرخسی ص ۳۲۱ مطبع دار المعرفۃ بیروت

تمام فقہاء کہتے ہیں خبر الواحد (عادل) حجت ہے دینی امور میں عمل کرنے کے لیے اور اس کے ساتھ علم الیقین ثابت نہیں ہوتا اور بعض غیر معتبر شخصیات کہتی ہیں کہ خبر واحد دین میں بالکل حجت نہیں (جیسے معتزلہ اور روافض)

فریق اول کا استدلال

(۱) فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ (الآیۃ) والفرقۃ اسم للثلاثۃ فصاعدا فالطائفۃ من الفرقۃ بعضھا وھو الواحد الخ[لہ]

پس کیوں نہ چلے ہر فرقہ میں سے ایک گروہ ۔ فرقہ تین یا تین سے زائد افراد کا نام ہے اور طائفہ ایک فرد کا نام ہے ۔

تنصیص علی ان القبول واجب علی السامعین من الطائفۃ ۔

یہ آیت نص ہے اس بات پر کہ بہت سے سامعین پر واجب ہے کہ وہ ایک فرد سے سن کر خبر کو قبول کریں ۔

خبر واحد کہاں کہاں حجت ہے

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جن جگہوں میں خبر واحد حجت ہے اس کی چار قسمیں ہیں :

پہلی قسم

پہلی قسم وہ احکام شرع ہیں جو دین کے فروع کہلاتے ہیں اور ان میں نسخ اور تبدیل کا احتمال ہوتا ہے ہمیں ان کی اتباع ضروری ہے پھر ان کی دو قسمیں ہیں ۱ وہ احکام جو شبہات سے ساقط نہیں ہوتے جیسے عبادات ۔ خبر واحد ان میں حجت ہوتی ہے بغیر اشتراط عدد کے اس پر عمل کرنا واجب ہے ہاں راوی کی وہ اوصاف ضروری ہیں جن کو ہم آگے بیان کریں گے اور یہ اس لیے ہے کہ خبر واحد میں راجح احتمال صدق ہے نہ کہ احتمال کذب اور یہ چیز بغیر عدد اور بغیر تعیین لفظ کے حاصل ہو جاتی ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی خبر واحد کو قبول کر لیا کرتے تھے ۔

مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ راوی سے قسم اٹھواتے تھے اور احتیاطی صورت بھی یہی ہے ، کہ راوی سے قسم اٹھوا کر اس پر اعتماد کر لیا جاوے ۔

لہ اصول السرخسی للامام ابو بکر محمد بن احمد سرخسی ص ۳۲۱ مطبع دار المعرفۃ بیروت

(۲)۔ دوسری قسم وہ احکام جو شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں تو ان کے بارہ میں امام ابو یوسف کا قول امالی میں مذکور ہے۔

ان خبر الواحد فیہ حجۃ ایضاً وھو اختیار الجصاص رحمہ اللہ وکان الکرخی رحمہ اللہ یقول خبر الواحد فیہ لایکون حجۃ [1]

کہ خبر واحد میں بھی حجت ہے اور امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کو بھی یہی قول پسند ہے اور امام کرخی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ خبر واحد حجت نہیں ہے۔

دوسری قسم | وہ حقوق العباد جو لازم ہیں اور ان میں دیگر ملتوں والے بھی شریک ہیں۔

وھذا لایثبت الابشرط العدد وتعیین لفظ الشھادۃ والاھلیۃ والولایۃ لانبتنی علی منازعات متحققۃ بین الناس بعد التعارض بین الدعوی والانکار [2]

اور یہ نہیں ثابت ہوتی مگر شرط عدد (دو شخص) اور تعیین لفظ شہادت کے ساتھ اور اہلیت (عاقل بالغ مسلمان ہونا) اور ولایت کے ساتھ (ولی ہونا) کیونکہ وہ خبر مبنی ہوتی ہے ایسے جھگڑوں پر جو لوگوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں دعویٰ اور انکار کے درمیان تعارض کے بعد؟

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف سے دعویٰ ہے اور دوسری طرف سے انکار ہے اب ایک جانب کو ترجیح دینی ہے تو نفس خبر مرجح نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کی تاکید لفظ شہادت اور یمین کے ساتھ نہ ہو۔ جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ کلمات لعان میں لفظ شہادت اور یمین محض بات کی پختگی اور یقین پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

تیسری قسم | وہ معاملات جو بندوں میں جاری ہوتے ہیں لیکن لازم نہیں ہوتے خبر واحد ان میں بھی حجت ہوتی ہے خواہ راوی عادل ہو یا نہ ہو بالغ ہو یا نہ ہو مسلمان ہو یا نہ ہو جیسے

---

[1] اصول السرخسی ص ۳۳۴ مطبوعہ بیروت

[2] ایضاً

وکالت، مضاربت، اجازتِ تجارت برائے غلام۔

یعنی کسی بچے یا کافر یا فاسق نے خبر دی کہ زید نے عمرو کو وکیل مقرر کیا ہے یا مولی نے اپنے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے تو اس قسم کی خبر کو قبول کر لیا جاوے گا بشرطیکہ وکیل اور غلام کا دل مطمئن ہو کہ وہ مخبر سچا ہے۔

چوتھی قسم وہ معاملات جن میں ایک وجہ سے لزوم ہوتا ہے اور ایک وجہ سے نہیں ہوتا۔ جیسے عبدِ ماذون (وہ غلام جس کو تجارت کی اجازت تھی) پر حجر کرنا (تجارت سے روکنا) اور وکیل کو معزول کرنے کی خبر وغیرہ۔

اس میں امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے مُخبِر کا عادل ہونا ضروری ہے یا دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مطلق شخص کی خبر قبول کر لی جائے گی یعنی یہ قسم ثالث کی طرح ہے[1]

اس پوری بحث سے امام سرخسی رحمہ اللہ نے مسئلہ کو خوب واضح کر دیا ہے کہ خبر واحد کی حیثیت کیا ہے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حقوق اللہ میں تو خبر واحد (عادل) قبول ہے اور حقوق العباد میں سے بعض صورتوں میں مطلقاً خبر واحد قبول ہے اور بعض میں کچھ قیود ہیں؟ واللہ اعلم بالصواب[2]

معتزلہ کے دلائل اب ہم آپ کے سامنے اس گروہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تاکہ آپ کے سامنے دونوں پہلو آسکیں۔

کتاب المعتمد فی اصول الفقہ میں ابو الحسین محمد بن علی البصری المعتزلہ خبر واحد پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

اعلم ان الروایة اما تتضمن شرعًا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولا تتضمن ذالک والاول اما ان نکون تعبدنا فیہ بالعلم فلا نقبل فیہ الخبر الواحد اولم نتعبد فیہ بالعلم بل بالعمل فنقبل فیہ فیہ خبر الواحد اذا تکاملت شرائطہ[3]

---

[1] اصول السرخسی امام الفقہ ابو بکر محمد بن احمد ص ۳۳۳ تا ص ۳۳۸ ملخصًا

[2] فواتح الرحموت علی مسلم الثبوت ص ۲۲۰ تا ص ۱۳۶ میں یہی بحث مذکور ہے۔

[3] کتاب المعتمد ابو الحسین بصری حصہ دوم ص ۵۷۰ مطبوعہ دمشق

روایت دو قسم پر ہے یا تو اس کا شرعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتصال ہوگا یا نہیں ہوگا پہلی قسم پھر دو حال پر ہے یا اس میں ہمارا تعبد (عمل کرنا) علم کے ساتھ ہوگا یا نہیں اگر علم کے ساتھ ہو تو اس میں ہم خبر واحد کو قبول نہیں کرتے اور اگر ہمارا تعبد (عمل کرنا) علم کے ساتھ نہ ہو بلکہ عمل (اجتہاد) کیساتھ ہو تو اس میں ہم خبر واحد کو بھی قبول کریں گے بشرطیکہ اس میں مکمل شرائط موجود ہوں۔

وان کان مایرویہ الراوی لیس تتضمن اضافۃ شرع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاما ان یجری مجراہ کاضافۃ الفتوی الی المفتی فیقبل فیہ خبر الواحد واما ان لا یجری اضافۃ الشرع الخ ؎۱

اور اگر راوی کی اضافت شرعی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متصل نہ ہو پھر وہ یا تو اس کے قائم مقام ہوگی یا نہیں اگر اس کے قائم مقام ہو جیسے فتوی کی اضافت مفتی کی طرف تو اس میں خبر واحد قبول ہوگی اور اس کے قائم مقام نہ ہو تو پھر وہ دو قسم پر ہے یا تو حاکم کے فیصلہ کی ضرورت پڑے گی یا نہیں پڑے گی اگر حاکم کے فیصلہ کی محتاج نہ ہو تو وہ یا حکم شرعی کے ساتھ متعلق ہوگی یا نہیں ہوگی اگر حکم شرعی کے ساتھ متعلق نہ ہو جیسے ہدایا اور معاملات وغیرہ تو اس میں خبر واحد قبول ہوگی جبکہ مخبر کے صدق کا غالب ظن ہو خواہ مخبر بالغ ہو یا نہ ہو عادل ہو یا فاسق اور خبر واحد کو امور دنیا میں قبول کیا جاوے گا جو خبر کے قائم مقام ہوں۔

اور وہ خبر جس کے ساتھ حکم شرعی متعلق ہو جیسے پانی کے نجس ہونے کی خبر دینا تو اس میں خبر واحد کو قبول کیا جاوے گا چونکہ اس کا تعلق شریعت کے ساتھ ہے اس لیے اس میں مشرک کی خبر کو قبول نہ کیا جاوے گا لیکن فاسق کی خبر کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں قبول کیا جاوے گا اور بعض کہتے ہیں قبول نہ کیا جاوے گا ؎۲

؎۱ کتاب المعتمد ابوالحسین بصری حصہ دوم ص ۵۷۰ مطبوعہ دمشق

؎۲ کتاب المعتمد ابوالحسین بصری ص ۵۷۲ ملخصاً

خبر واحد پر مفصل بحث کرنے کے بعد ابوالحسین بصری معتزلی لکھتے ہیں :

۱ ۔ منها ان العقل یمنع من قبول خبر الواحد من حیث لم یؤمن کونه کاذبًا فنکون عاملین بالمفسدة لہ

ان دلائل میں سے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خبر واحد حجت نہیں ایک دلیل یہ ہے کہ عقل قبول خبر واحد سے روکتی ہے کیونکہ امکان ہے کہ وہ ایک راوی جھوٹا ہو؟ لہٰذا ہم ایک بیکار چیز پر عمل کرنے والے ہوں گے ۔

۲ ۔ ومنها قول الله عز وجل وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون ۔ وقول ولا تقف ما لیس لك به علم والعمل بخبر الواحد اقتفاء لما لیس لنا به علم لان العمل موقوف علی الظن ۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہ کہ تم کہتے ہو اللہ پر وہ باتیں جو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ اس بات پر نہ چل جس کا تجھے علم نہ ہو ۔

خبر واحد پر عمل تو ان باتوں پر چلنا ہے جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا کیونکہ عمل موقوف علی الظن ہے ۔

۳ ۔ ومنها قول الله عز وجل ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئًا ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ گمان کی اتباع کرتے ہیں اور گمان حق بات کا ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں دیتا ؟

تو گویا خبر واحد میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ شاید مخبر صادق ہو اور اس گمان کی بنا پر اس پر عمل کیا جاتا ہے لہٰذا خبر واحد پر عمل کرنا اپنے گمان پر عمل کرنا ہے جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے ؟

۴ ۔ ومنها قول الله تعالیٰ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا ۔

چوتھی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی

لہ کتاب المعتمد ابوالحسین بصری ص ۶۰۴ ملخصًا

تحقیق کر لیا کرو ۔
اس آیت سے معلوم ہوا ہر مخبر کی خبر کو قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کی خبر کی تحقیق نہ کر لی جاوے ؟

۵ ۔ ومنها قوله عز وجل ثم یحکم الله اٰیاته الخ فلو کان الخبر الواحد دلالة وکان من اٰیات الله لکان الله قد احکمه واحکمه لم یخبر کونه کذبًا [1]

پانچویں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ پختہ کرتا ہے اپنی آیات کو پس اگر خبر واحد دلیل ہوتی اور اللہ کی آیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی پختگی کرتا جب اللہ تعالیٰ اس کی پختگی کرتا تو اس میں جھوٹ جائز نہ ہوتا ۔ حالانکہ خبر واحد میں جھوٹ کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا خبر واحد آیۃ اللہ نہیں ہے ۔

۶ ۔ ومنها : وما ارسلناك الا کافة للناس بشیرًا ونذیرًا : فاخبر انه مرسل الی کافة الناس فوجب علیه ان یخاطب بشرعه جمیعهم وذالك یقتضی نقل جمیعهم الخ [2]

چھٹی دلیل ہے کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں کے لیے رسول ہیں پس آپ پر ضروری ہے کہ آپ اپنی شریعت کے ساتھ سب کو مخاطب کریں اور یہ بات تقاضہ کرتی ہے کہ نقل کرنے والے بھی سب ہوں ۔
مطلب یہ ہے کہ جب آپ کی رسالت سب لوگوں کے لیے ہے تو آپ نے شریعت کا جو حکم بھی دیا ہوگا وہ پوری جماعت کو دیا ہوگا کسی ایک فرد کو نہیں دیا ہوگا لہٰذا آپ کی ہر بات کو نقل کرنے والے پوری جماعت ہونی چاہیے نہ کہ ایک شخص لہٰذا خبر واحد معتبر نہ ہوئی [3]

---

[1] کتاب المعتمد ص ۶۰۵ تا ص ۶۰۶

[2] ایضاً ۶۰۶

[3] کتاب المعتمد فی اصول الفقہ ابو الحسین بصری ص ۶۰۵ ملخصاً مطبوعہ (دمشق)

خبر واحد کے رد کرنے والوں کے اس طرح کے بے شمار دلائل ہیں لیکن غور کیا جائے تو ان آیات سے خبر واحد کے رد کرنے پر جو تاویلات کی گئی ہیں سب رکیک اور فاسد تاویلات ہیں ان آیات کے سیاق و سباق سے منقطع ہو کر مفہوم نکالا گیا ہے ۔ جمہور فقہاء کے دلائل گذشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں جو قبول خبر واحد پر واضح اور صریح دلائل ہیں اس لیے ان کو ترجیح ہوگی ۔

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث یہ ہے کہ خبر واحد کی حجیت اور صداقت کا انحصار راویوں کی راست بازی اور دیانت پر ہے اگر راوی ہر اعتبار سے قابل اعتبار ہے تو اسکی بیان کردہ روایت قبول کی جا سکتی ہے لیکن اگر ایک ایک راوی مشکوک تصور کیا جائے تو تمام تر روایات خود بخود مشکوک ٹھہرتی ہیں ۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ اصول دنیا کے ہر خطے میں لاگو اور کارفرما ہے لیکن رسول اللہ کی سنت کے بارہ میں اس پر اعتراض کیا جاتا ہے حالانکہ حدیث نبوی کے بارہ میں یہ اصول زیادہ قابل اطلاق ہونا چاہیے کیونکہ احادیث کو روایت کرنے والے اپنی روایتوں کی نزاکت اور اہمیت سے بخوبی واقف تھے ۔ یہ کسی ایسی بات کی روایت نہ تھی جو قانونی اور دینی اثرات کی حامل نہ ہو بلکہ ایسی حقیقت کا بیان تھا جس کے نتائج دور رس اور لاکھوں افراد کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے والے تھے احادیث کے راوی اس حدیث سے بخوبی واقف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بھی قول یا فعل کا انتساب کھیل تماشہ نہیں ہے ۔ اس معاملہ میں روایت کی معمولی غلطی اور لاپرواہی انہیں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا مستوجب کر سکتی ہے ۔

اسی بنیادی وجہ کی بنا پر ذمہ دار راویوں نے احادیث کی راویت اور حفاظت میں ہر ممکن احتیاط برتی ۔ روایت بیان کرتے وقت اس کی صحت و صداقت کا ہر لحظہ خیال رکھا ۔ اس لیے خبر واحد کو بالکلیہ رد نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کتاب اللہ و سنت مشہورہ و اجماع کے بالکل برعکس نہ ہو خبر واحد کی قبولیت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اصول ہی بہترین مقیاس نظر آتے ہیں اگر خبر واحد کو ان کے مطابق پرکھ لیا جاوے تو کبھی بھی غلطی کا امکان نہ ہوگا ۔[1]

---

[1] حجیت حدیث جسٹس تقی عثمانی مدظلہ ص ۱۰۸ مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور